قاضی افضل حق قرشی

اقبال اور ابوالکلام آزاد

''یہ دونوں بزرگ ایک ہی زمانے میں، ایک ہی ملک میں اور ایک ہی ماحول میں باندازِ بے التفاتی یا برنگِ تغافل ایک دوسرے کو دور سے دیکھتے رہے .....اور ایک دوسرے کے بارے میں' دوسروں کی زبانی باتیں سنتے رہے.....میرا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ایک دوسرے کو پہچانتے بھی تھے یا نہیں۔اس میں مجھے شبہ ہے۔اس اندازِ تغافل کو کس چیز پر محمول کیا جائے؟ رنگِ نا آشنائی! معاصرانہ چشمک؟ یا اختلافِ مزاج و مشرب و مسلک؟

بزرگوں کے معاملات ہیں، نام وروں کی باتیں ہیں، بڑوں کے مسائل ہیں، ایک خورد، ایک ذرۂ حقیر، خاکِ پا' ان جھگڑوں کی وجہ بیان کرے تو قصہ دار و رسن نہ سہی' سنگِ خلائق کا نشانہ بننا تو لازمی ہے۔کیا کہا جائے اور کیا کیا جائے؟

علامہ اقبال نے مسائل و مشکلات کے بارے میں صدہا اہلِ علم و فضل سے مشورہ کیا.....اس فہرست میں اصاغر بھی ہیں اور اکابر بھی، علمائے دین بھی ہیں اور فضلائے جدید بھی.....مگر فہرست سے جو نام غائب ہے وہ ابوالکلام کا ہے.....مجھے معلوم نہیں' کبھی دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوں (ممکن ہے ملے ہوں) خط و کتابت بھی شاید ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

امام الہند نے ''تذکرہ'' سے لے کر ''غبارِ خاطر'' تک اپنی نثر کو فارسی، اردو کے متعدد شعراء کے شعروں سے مزین کیا ہے۔لیکن اگر نہیں کیا تو علامہ اقبال کے شعروں سے نہیں کیا۔داغ تک کے اشعار ہیں' مگر اقبال کے نہیں۔یہ رنگِ نا آشنائی ہے تو عجیب رنگ ہے، معاصرانہ چشمک ہے تو عجیب چشمک ہے۔یہ اختلافِ مزاج ہے تو عجیب اختلافِ مزاج ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کے وجود ہی کا انکار کر دے.....''

یہ ہیں الفاظ اردو کے نام ور ادیب اور نقاد جناب ڈاکٹر سید عبداللہ کے۔مجھے سید صاحب کے ان محسوسات سے بصدِ عجز و نیاز اختلاف ہے۔

اقبال (۱۸۷۳ء۔۱۹۳۸ء) اور ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۸ء) اس صدی کے دو عبقری تھے' جنہوں نے

برعظیم پاک و ہند کی علمی، ادبی، مذہبی اور سیاسی زندگی کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق:

''ابوالکلام اور اقبال اس دور کے دماغ تھے۔''

ان دونوں کا ایک ہی پیغام تھا۔ بقول ڈاکٹر سید عابد حسین:

''اور وہ یہ ہے کہ دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولو اور اسلام کے اسم اعظم سے آفاق کی تسخیر کرو۔''

اور دونوں کے مابین تعلقات دوستانہ تھے..... یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ان کے تعلقات کی ابتداء کب ہوئی؟ البتہ دونوں کی پہلی ملاقات اپریل ۱۹۰۵ء میں لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں ہوئی۔ مولانا آزاد اس اجلاس میں بحیثیت ایڈیٹر ''لسان الصدق'' مدعو تھے۔ عبدالرزاق ملیح آبادی' مولانا کی زبانی لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں ڈاکٹر اقبال کی شاعری کو ''مخزن'' نے نیا نیا ملک کے سامنے پیش کیا تھا۔ لیکن بہت جلد ہی لوگوں میں غیر معمولی شہرت ہوگئی تھی۔ انجمن میں ان کی نظم خوانی خاص طور پر شوق و ذوق سے سنی جاتی تھی۔ ان سے بھی پہلی مرتبہ اس سفر میں ملاقات ہوئی۔''

مولانا آزاد نے ۱۳ر جولائی ۱۹۱۲ء کو کلکتہ سے ہفت روزہ ''الہلال'' جاری کیا۔ اس ہفت روزہ نے ملک بھر کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کے مطابق: ''الہلال نکلتے ہی ابوالکلام مسلّم طور پر مولانا ہوگئے اور شہرت کے پروں سے اڑنے لگے۔ الہلال کی مانگ گھر گھر ہونے لگی۔''

اصل میں ''الہلال'' ایک تحریک تھی۔ اسلامیان ہند کی بیداری' اس نے تھوڑی ہی مدت میں علمی، ادبی، مذہبی اور سیاسی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ عوام تو عوام' خواص بھی چونک اٹھے اور انہیں یہ بات تسلیم کرنا پڑی کہ ہم سب اپنے اصلی کام بھولے ہوئے تھے' ''الہلال'' نے ہمیں یاد دلا دیا۔ ملک کے مختلف گوشوں سے اس کے لیے ہمدردی اور محبت کے جذبات اٹھے۔ اقبال نے بھی ''تحریکِ الہلال'' سے دلچسپی اور ہمدردی کا عملاً اظہار کیا۔ چنانچہ انہوں نے ''الہلال'' کے لیے دس خریدار مہیا کئے۔ مولانا آزاد ۹ر اکتوبر ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں لکھتے ہیں:

''الہلال کی توسیع اشاعت کے لیے ابتداء سے بغیر کسی تحریک اور طلب کے جو احباب سعی فرما رہے ہیں' دفتر ان کا شکر گزار ہے۔ ایسے حضرات تو بکثرت ہیں' جنہوں نے ایک ایک یا دو دو خریدار بہم پہنچائے' مگر جن احباب نے خاص طور پر اس بارے میں سعی کی ہے' ان کے اسمائے گرامی شکریئے کے ساتھ درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ وہ اپنے کسی جذبے کو مخلص اور بغیر منت و طلب احسان کرنے والے احباب عطا فرمائے۔''

اس فہرست میں سب سے زیادہ یعنی بارہ خریدار دہلی کے ایک صاحب نے مہیا کئے۔ مگر اپنا نام ظاہر نہ کیا اور دس دس خریدار علامہ اقبال اور مولانا سید عبدالحق بغدادی (نائب پروفیسر عربی محمڈن کالج علی گڑھ) نے مہیا کئے۔

اقبال کی نظم ''جواب شکوہ'' ۳۰ر نومبر ۱۹۱۲ء کو جلسۂ امداد مجروحین بلقان منعقدہ باغ بیرون موچی دروازہ لاہور میں پڑھی گئی۔ الہلال کی ۲۶ر فروری ۱۹۱۳ء کی اشاعت میں ریاست رام پور کے ہوم سیکرٹری صاحبزادہ مصطفےٰ خان شرر کی ایک طویل نظم ''جواب شکوہ کا اقبال'' کے عنوان سے اس کی تائید میں چھپی۔ یہ الہلال کے دو صفحات پر محیط تھی۔ اس کا آخری بند یہ ہے۔

آج اگر حال زبوں ہے تو الم بے جا ہے
قلب اقبال ہوا ہے تو اچنبھا کیا ہے
دیکھیے باغ اُجڑتا ہے' کبھی پھلتا ہے
تنگ دل ہیں تو کریں صبر' یہی اچھا ہے
جب بہار آتی ہے' کلیوں کی چٹک کہتی ہے
کب ہمیشہ خلش تنگ دلی رہتی ہے

۱۸ر ستمبر ۱۹۱۳ء کو ''الہلال'' سے پریس ایکٹ کے تحت دو ہزار روپے کی ضمانت طلب ہوئی' جو ۱۶ر نومبر ۱۹۱۴ء کو ضبط کر لی گئی اور ''الہلال'' کا نمبر بابت ۴ر اکتوبر و ۱۱ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کو ضبط ہوئے..... مولانا ان دنوں کلکتہ سے باہر تھے۔ جب انہیں دفتر کی طرف سے اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے بذریعہ تار ہدایت کی کہ:

''جو نمبر چھپ رہا ہے' اس کو فوراً شائع کر دو۔ ایک مختصر نوٹ میں ضبطی کی اطلاع کے ساتھ یہ اعلان کر دو کہ ہم اپنی ذات سے آخر وقت تک الہلال کو جاری رکھنا چاہتے ہیں اور ان شاء اللہ العزیز رکھیں گے۔''

چنانچہ ''الہلال'' کا ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کا شمارہ شائع ہوا۔ مگر ساتھ ہی دس ہزار روپے کی نئی ضمانت مانگ لی گئی۔ ضمانت داخل نہ کرائی گئی اور اس طرح ''الہلال'' بند ہو گیا۔ پانچ ماہ بعد مولانا نے البلاغ پریس اور ہفتہ وار ''البلاغ'' جاری کیا۔ ''البلاغ'' کا پہلا شمارہ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء کو چھپا۔ اس کے صفحہ اوّل پر اقبال کی یہ نظم چھپی:

محل ایسا کیا تعمیر عرفی کے تخیل نے
تصدق جس پہ حیرت خانۂ سینا و فارابی
فضائے عشق پر تحریر کی اس نے نوا ایسی
میسر جس سے آنکھوں کو ہے اب تک اشک عنابی
مرے دل نے یہ اک دن اس کی تربت سے شکایت کی
نہیں ہنگامۂ عالم میں اب سامان بے تابی

تغیر آ گیا ایسا مزاج اہل عالم میں
کہ رخصت ہوگئی دنیا سے کیفیت وہ سیمابی
فغان نیم شب شاعر کی ' بارگوش ہوتی ہے
نہ ہو جب چشم محفل آشنائے لطف بے خوابی
کسی کا شعلہ فریاد ہو ' ظلمت ربا کیوں کر
گراں ہے شب پرستوں پر سحر کی آسماں تابی
صدا تربت سے آئی ' شکوۂ اہل جہاں کم کن
نوارا تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

''البلاغ'' میں اس نظم کا عنوان عرفی کے شعر کے مصرعہ اولیٰ تھا۔ ''بانگ درا'' میں یہ ''عرفی'' کے عنوان
چھپی۔ بانگ درا میں اسے شامل کرتے وقت چند اشعار میں ترامیم کی گئیں' جو یہ ہیں:

البلاغ: میسر جس سے آنکھوں کو ہے اب تک اشک عنابی
بانگ درا: میسر جس سے ہیں آنکھوں کو اب تک اشک عنابی
البلاغ: تغیر آ گیا ایسا مزاج اہل عالم میں
بانگ درا: مزاج اہل عالم میں تغیر آ گیا ایسا
البلاغ: صدا تربت سے آئی شکوۂ اہل جہاں کم کن
بانگ درا: صدا تربت سے آئی شکوۂ اہل جہاں کم گو

یہ حقیقت ہے کہ الہلال اور البلاغ کے صفحۂ اوّل پر کبھی کوئی نظم شائع نہیں ہوئی۔ صرف اقبال کی نظم کو یہ مستثنیٰ مقام حاصل ہوا۔ شبلی سے مولانا آزاد کے گہرے تعلقات تھے۔ ان کی متعدد نظمیں الہلال میں چھپیں مگر پہلا صفحہ اقبال کے سوا کسی کو نہ ملا۔ اس نظم میں مولانا آزاد کو جو پیغام دیا گیا' وہ محتاج تشریح نہیں۔

حکومت نے محسوس کیا کہ محض پریس ایکٹ کے استعمال سے مولانا آزاد کی سرگرمیاں رک نہیں سکتیں، سو اس بار قانون تحفظ ہند کی دفعہ ۳ کے تحت انہیں کہا گیا کہ چار دن کے اندر اندر کلکتہ کا قیام ترک کر دیں اور حدود بنگال سے نکل جائیں۔ بعد میں یہ مدت ایک ہفتہ تک بڑھا دی گئی۔ اس سے پہلے حکومت پنجاب، دہلی، یوپی اور بمبئی اسی قانون کے تحت مولانا کا داخلہ اپنے صوبوں میں بند کر چکی تھیں۔ چنانچہ مولانا رانچی (بہار) چلے گئے' جہاں پانچ ماہ بعد نظر بند کر دیئے

گئے۔اس طرح ساڑھے چار مہینے بعد البلاغ بند ہوگیا۔

مولانا آزاد رانچی میں نظر بند تھے کہ اقبال کی مثنوی ''رموز بے خودی'' چھپی۔اقبال نے اس کا ایک نسخہ مولانا آزاد کو بھیجا اور انہوں نے ایک خط میں اسے بہت پسند کیا۔اقبال' سید سلیمان ندوی کے نام ۲۸/اپریل ۱۹۱۸ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''والا نامہ ابھی ملا ہے۔رموز بے خودی میں نے ہی آپ کی خدمت میں بھجوائی تھی۔ریویو کے لیے سراپا سپاس ہوں۔آج مولانا ابوالکلام کا خط آیا ہے۔انہوں نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے۔''

مولانا آزاد کا ''تذکرہ'' ۱۹۱۹ء میں ان کے زمانہ اسارت ہی میں چھپا۔فضل الدین احمد مرزا نے مقدمہ میں ''مذہبی انقلاب'' کے زیر عنوان ''الہلال'' کے اثرات کے بارے میں لکھا:

''مثال کے طور پر میں صرف چند محرم ناموں کا ذکر کروں گا۔طبقۂ علماء میں سے حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کا یہ قول خود مولانا ابوالکلام نے ایک مرتبہ مجھ سے نقل کیا تھا کہ ''ہم اصل کام بھولے ہوئے تھے۔الہلال نے یاد دلایا''.....تعلیم یافتہ جماعت میں فدائے قوم مسٹر محمد علی جناح اور مسٹر شوکت علی خاں اور ہمارے قومی شاعر ڈاکٹر اقبال کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ان دونوں اسلام پرستوں کو مذہب کی راہ اسی نے دکھلائی اور بتدریج اپنے رنگ میں یک قلم رنگ دیا:

''.....ڈاکٹر اقبال کا مذہبی عقائد میں پچھلا حال جو سنا تھا،اس کے مقابلے میں انکی فارسی مثنویاں دیکھتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے۔''اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' فی الحقیقت ''الہلال'' ہی کی صدائے بازگشت ہیں۔''

اقبال نے سید سلیمان ندوی کے نام ۰انومبر ۱۹۱۹ء کے خط میں جہاں تذکرہ،مولانا آزاد اور تحریک الہلال کے بارے میں اپنے تاثرات لکھے،وہاں فضل الدین احمد مرزا کی مندرجہ بالا تحریر پر خفگی کا اظہار کیا۔وہ لکھتے ہیں:

''مولانا ابوالکلام آزاد کا تذکرہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا،بہت دلچسپ کتاب ہے،مگر دیباچے میں مولوی فضل الدین احمد لکھتے ہیں کہ ''اقبال'' کی مثنویاں تحریک الہلال ہی کی بازگشت ہیں۔'' شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کیے ہیں،ان کو برابر ۱۹۰۷ء سے ظاہر کر رہا ہوں۔اس کے شواہد میری مطبوعہ تحریریں،نظم و نثر،انگریزی اور اردو موجود ہیں،جو غالباً مولوی صاحب کے پیش نظر نہ تھیں۔بہر حال اس کا کچھ افسوس نہیں کہ انہوں نے ایسا لکھا۔مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ کہ نام آوری۔البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا کہ ان کے خیال میں اقبال تحریک الہلال سے پہلے مسلمان نہ تھا۔تحریک الہلال نے اسے مسلمان کیا۔ان کی عبارت سے ایسا خیال مترشح ہوتا ہے۔ممکن ہے ان کا مقصود یہ نہ ہو۔میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی بڑی عزت ہے اور انکی تحریک سے بڑی ہمدردی۔مگر

کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اوروں کی دلآزاری کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اقبال کے جو مذہبی خیالات اس سے پہلے سنے گئے، ان میں اور مثنویوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' معلوم نہیں، انہوں نے کیا سنا تھا اور سنی سنائی بات پر اعتبار کر کے ایک ایسا جملہ لکھا، جس کے کئی معنی ہو سکتے ہوں کسی طرح ان لوگوں کے شایان شان نہیں جو اصلاح کے علم بردار ہوں۔ مجھے معلوم نہیں مولوی فضل الدین صاحب کہاں ہیں ورنہ یہ مؤخر الذکر شکایت براہ راست ان سے کرتا۔ اگر آپ سے ان کی ملاقات ہو تو میری شکایت ان تک پہنچایئے۔''

''تذکرہ'' مولانا کی رائے اور مرضی کے خلاف فضل الدین احمد مرزا نے شائع کر دیا تھا۔ مولانا پورا چھاپنا چاہتے تھے۔ فضل الدین احمد نے مختلف اجزا روک لیے اور مولانا کے بیان کے مطابق دوسری جلد کا مسودہ بھی انہی کے پاس تھا۔ مولانا کی رہائی سے پیشتر موصوف پنجاب آ گئے' پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ مسودہ تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ مولانا آزاد' مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام ۲۶ر نومبر ۱۹۱۹ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''.....تذکرہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جو خصوصیت کے ساتھ شائع کی جاتی۔ ایک صاحب نے بطور خود شائع کر دیا۔ بوجوہ اس کی اشاعت میرے لیے خوش آئند نہ ہوئی۔''

معلوم نہیں سید سلیمان ندوی' اقبال کی شکایت فضل الدین احمد مرزا تک پہنچا سکے یا نہیں' البتہ مولانا آزاد کو ضرور پہنچائی۔ اس پر مولانا آزاد نے سید سلیمان ندوی کو ۳ر جنوری ۱۹۲۰ء کو لکھا:

''.....ڈاکٹر اقبال کا شکوہ بے جا نہیں۔ یہ بات نہایت لغو اور سبک بات ہے کہ فلاں نے فلاں بات فلاں کے اثر سے لکھی اور فلاں کے خیال میں یوں تبدیلی ہوئی۔ لیکن لوگوں کا پیمانہ نظر یہی باتیں ہیں تو کیا کیا جائے۔ دراصل اس کم بخت تذکرے کی ساری باتیں میرے لیے تکلیف دہ ہوئیں۔ مسٹر فضل الدین نے یہ مقدمہ لکھ کر نظر ثانی کے لیے بھیجا تھا۔ میں نے واپس نہیں بھیجا۔ اس لیے کہ وہ موجودہ حالت میں کتاب کا پہلا حصہ شائع کرنا چاہتے تھے اور میں مصر تھا کہ ایک ہی مرتبہ پوری کتاب شائع کر دی جائے۔ صرف اتنا ٹکڑا حد درجہ ضمنی مطولات عدم انضباط کی وجہ سے نہایت' وہ ہوگا۔ خیال کیا کہ مقدمہ کا واپس نہ کرنا' اشاعت میں روک ہوگا۔ لیکن انہوں نے بجستہ چھاپ کر' جلد باندھ کر' یکا یک ایک نسخہ بھیج دیا اور ان ساری باتوں کو وہ مزاح سمجھتے رہے۔ علاوہ ڈاکٹر اقبال وغیرہ والے ٹکڑے کے پورا مقدمہ طرز تحریر و استدلال وغیرہ کے لحاظ سے بھی بالکل لغو ہے۔''

مولانا یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو رہا ہوئے تو اقبال کو اس کی خوشی ہوئی اور انہیں خط بھی لکھا۔ سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''.....الحمدللہ کہ مولانا آزاد کو آزادی ملی۔ کیف باطن میں بالخصوص آج کل ''صحو'' ہی کی ضرورت ہے۔ نبی

کریم ﷺ نے صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی تربیت اسی حال میں کی تھی۔ ''سکر'' کی حالت عمل کی دشوار گزار منزل کو طے کر لینے کے بعد ہو تو مفید ہے۔ باقی حالات میں اس کا روح پر ایسا ہی اثر ہے جیسا جسم پر افیون کا۔ مولانا آزاد اب کہاں ہیں۔ پتہ لکھیے کہ ان کی خدمت میں عریضہ لکھوں.....''

• اقبال' مولانا آزاد سے بھی مسائل و مشکلات میں مشورہ کرتے تھے اور ان کی رائے کو وقیع جانتے تھے۔ سید سلیمان ندوی کے نام ۱۸/اگست ۱۹۲۴ء کے خط میں رقم طراز ہیں:

''حال ہی میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی (کولمبیا) نے ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس کا نام ''مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات'' ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ اجماع امت نص قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے' یعنی یہ کہ مثلاً مدت شیر خوارگی جو نص صریح کی رو سے دو سال ہے' کم یا زیادہ ہو سکتی ہے یا حصص شرعی میراث میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ بعض حنفاء اور معتزلیوں کے نزدیک اجماع یہ اختیار رکھتا ہے مگر اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا جواز موجود ہے؟ امر دیگر یہ ہے کہ آپ کی ذاتی رائے اس بارے میں کیا ہے؟ میں نے مولوی ابوالکلام صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا ہے۔''

سید سلیمان ندوی کے نام ۷/اگست ۱۹۳۶ء کے خط میں مولانا آزاد کا ذکر ہے۔ اقبال لکھتے ہیں:

''الحمد للہ کہ اب قادیانی فتنہ پنجاب سے رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی دو تین بیان چھپوائے ہیں مگر حال کے روشن خیال علماء کو ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔''

افسوس کہ فریقین کی خط و کتابت محفوظ نہیں' جس کی وجہ سے ان بزرگوں کے تعلقات کی تفصیلات نامعلوم ہیں۔ البتہ یہ بات تو یقینی ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے کے وجود کا انکار نہیں کیا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ''امام الہند نے ''تذکرہ'' سے لے کر ''غبارِ خاطر'' تک اپنی نثر کو فارسی اردو کے متعدد شعرا کے شعروں سے مزین کیا ہے' لیکن اگر نہیں کیا تو علامہ اقبال کے شعروں سے نہیں کیا'' اس ضمن میں مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''مولانا نے غالباً دو تین مقامات پر حضرت علامہ کے اشعار درج کئے ہیں۔ لیکن زیادہ تر وہی اشعار انسان کے حافظے میں محفوظ رہتے ہیں جو ابتدائی دور میں نظر سے گزر چکے ہوں۔ اگر نقل نہیں ہوئے یا زیادہ نقل نہیں ہوئے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔''

۱۹۰۵ء کی پہلی ملاقات کے علاوہ اقبال اور مولانا ابوالکلام کی اور ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ چند ایک تفصیلات یہ ہیں:

۱۹/فروری ۱۹۱۴ء کو مولانا آزاد انجمن ہلال احمر قسطنطنیہ کے وفد کے ساتھ لاہور آئے اور اقبال سے ملاقات بھی

ہوئی۔ یہ وفد مسلمانانِ ہند کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہندوستان آیا تھا۔ ریلوے سٹیشن پر وفد کا پر جوش استقبال کیا گیا۔ شام چار بجے باغ بیرون موچی دروازہ میں جلسہ عام منعقد ہوا۔ اراکین وفد اور مولانا آزاد جب جلسہ گاہ میں آئے تو حاضرین جلسہ کی طرف سے ان کے گلے میں ہار ڈالے گئے اور بے شمار پھول برسائے گئے۔ اس کے بعد حاجی شمس الدین سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور نے نواب ذوالفقار علی خان رئیس مالیر کوٹلہ و سابق وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کے صدر جلسہ بنائے جانے کی تجویز پیش کی جو اقبال کی تائید سے باتفاق رائے حاضرین منظور ہوئی۔ نواب ذوالفقار علی خان نے افتتاحی تقریر کی۔ ان کے بعد ڈاکٹر عدنان بے اور عمر کمال بے نے ترکی میں تقاریر کیں، جن کا ترجمہ علامہ توفیق بے ایڈیٹر رسالہ ''سبیل الرشاد'' قسطنطنیہ نے فارسی میں کیا۔ ان کے بعد چودھری غلام حیدر خان پرسنل اسسٹنٹ ایڈیٹر ''زمیندار'' اور حاجی شمس الدین نے تقاریر کیں۔ مولانا آزاد وفد کے ہمراہ اسی شام واپس چلے گئے کہ دوسرے دن دہلی میں بھی جلسہ ہو رہا تھا۔ اقبال اور نواب ذوالفقار علی خان نے مولانا آزاد پر زور دیا کہ مزید ایک روز لاہور میں قیام فرمائیں۔

ایک ملاقات کے راوی ڈاکٹر شیر بہادر خان ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ مولانا، لاہور تشریف لائے اور حسبِ معمول میاں عبدالعزیز بار ایٹ لاء کی کوٹھی پر فروکش ہوئے۔ ان کے ہاں خواص کی ایک مجلس خاص کے قریب منعقد ہوئی۔ مجھے یاد ہے کہ علامہ اقبال بھی وہاں موجود تھے۔ اس محفل میں، میں اور میرا ایک دوست بھی جا پہنچے۔ مولانا نے وقت کے کسی مسئلہ پر (وہ مسئلہ اب ٹھیک یاد نہیں) فرش پر بیٹھے بیٹھے تقریر کی۔ جب تقریر کر چکے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ علامہ اقبال سے مخاطب ہوئے اور استفسار کیا ''کیوں علامہ صاحب! آپ کی کیا رائے ہے؟'' علامہ مرحوم نے فرمایا ''مولانا! مجھے آپ سے کلی اتفاق ہے۔''

ایک اور ملاقات کے راوی مولانا غلام رسول مہر ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''ایک ملاقات میرے سامنے نواب ذوالفقار علی خان مرحوم کی دعوتِ طعام پر ہوئی تھی۔ حضرت علامہ نے بطور خاص فرمایا تھا کہ ہمیں مولانا آزاد کے پاس بٹھایا جائے تا کہ ان سے باتیں کر سکیں۔ میں نے اس کا انتظام کیا اور کھانے کے دوران میں دونوں بزرگ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔''

یہ تو تھی اقبال اور ابوالکلام کی خط و کتابت اور ملاقاتوں کی داستان، جس سے زندگی میں ان کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ ۲۱ را پریل ۱۹۳۸ء کو اقبال کا انتقال ہو گیا۔ مولانا آزاد کو اس کا شدید صدمہ ہوا۔ ۲۵ را پریل ۱۹۳۸ء کو مولوی محی الدین احمد قصوری کے نام ایک خط میں بھی اس سانحہ پر ان الفاظ میں اظہار افسوس فرمایا:

''اقبال کی موت سے نہایت قلق ہوا
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں''